علم قرآن
سترھویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں

ڈاکٹر ظفر الاسلام

۱۷ ادیں صدی عیسوی کا ہندوستان اس اعتبار سے کافی معروف ہے کہ اس عرصہ میں یہاں جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب جیسے نامور و ممتاز شاہان مغلیہ کی حکمرانی رہی، ان کے عہد حکومت میں سیاسی وانتظامی اداروں کو توسیع وترقی ملی اور علمی وثقافتی سرگرمیوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔ ان بادشاہوں کی علم دوستی اور فیاضانہ سرپرستی سے تدریسی وتصنیفی مشاغل کو فروغ ملا اور مدارس کے ذریعہ علوم وفنون کی ترویج ہوتی رہی۔ دوسری جانب علماء ومشائخ کے ذاتی حلقوں نے اشاعت علم کے کام کو اور آگے بڑھایا۔ دیگر دینی علوم کے ساتھ تفسیر بھی اس عہد کے مدارس کے نصاب میں جزو لازم کی حیثیت سے شامل رہی جہاں تک تفسیری درسیات کا تعلق ہے جلالین وبیضاوی کو اس زمانہ میں خاص مقبولیت حاصل ہوئی گرچہ کشاف کا پڑھنا پڑھانا بھی جاری رہا۔ تفسیر بیضاوی کی مقبولیت کا اندازہ کثیر تعداد میں اس کی شروح وحواشی لکھے جانے کے علاوہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس عہد میں بعض لوگ قرآن کریم کے حفظ کے ساتھ تفسیر بیضاوی بھی زبانی یاد کرتے تھے۔[1]

جہانگیر کا زمانۂ حکومت (۱۶۰۵ - ۱۶۲۷ء) دوسرے بادشاہوں کی بہ نسبت مختصر رہا ہے لیکن یہ مختصر عہد بھی علمی وثقافتی سرگرمیوں کے لحاظ سے ناقابل توجہ نہیں ہے۔ جہانگیر عام طور پر اپنی رنگین مزاجی اور عیش وعشرت میں انہماک کے لیے مشہور ہے اور اس حقیقت سے کم ہی لوگ واقف ہیں کہ وہ علمی ذوق بھی رکھتا تھا۔[2] اس کے استادوں میں صاحب تفسیر سواطع الالہام ابوالفیض فیضی جیسے ماہر علم

وفن اور میر کلاں محدث جیسے ممتاز عالم حدیث شامل تھے۔ ظاہر ہے ان باکمال اساتذہ کی صحبت و تربیت اور دیگر علماء دربار سے تعلق کی وجہ سے بادشاہ کے علمی ذوق کو جلا ملی۔ جہانگیر کی علمی دلچسپی اس سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ جب بھی کسی مہم یا سفر پر جاتا تو شاہی کتب خانہ اس کے ہم رکاب ہوتا تھا اور وہ نہ صرف خود ان سے استفادہ کرتا تھا بلکہ اہلِ علم وفضل کو علمی و دینی کتابیں ہدیہ بھی کرتا تھا۔ اس کی خود نوشت سوانح عمری تزک جہانگیری کی وضاحت کے مطابق بادشاہ نے ۱۶۱۸ء میں گجرات سفر کے دوران وہاں کے بعض شیوخ کو خود اپنے دستخط کے ساتھ تفسیر حسینی، تفسیر کشاف اور روضۃ الاحباب کے نسخے عنایت کیے[۴۳] اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ شاہی کتب خانہ میں تفسیری کتابوں کا بھی ذخیرہ تھا۔ اشاعت علم میں جہانگیر کی دلچسپی پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ اس نے قدیم مدارس کی آبادکاری اور نئے مدارس کے قیام پر بھرپور توجہ دی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس عہد میں دینی علوم کی ترویج میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور میر کلاں محدث جیسے ممتاز معاصر علماء وفضلاء نے اہم رول ادا کیا تاہم اس ضمن میں بادشاہ کی علمی دلچسپی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

شاہجہاں کا زمانۂ حکومت (۱۶۲۷-۱۶۵۸ء) مغلیہ سلطنت کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اسے عہد زریں بنانے میں تخت وتاج کی شان وشوکت، تعمیراتی ترقی اور علمی وثقافتی سرگرمیوں کا اپنا اپنا رول رہا ہے۔ شاہجہاں کی تعلیم وتربیت شیخ وجیہ الدین گجراتی، شیخ ابوالخیر اور قاسم بیگ تبریزی کے زیر نگرانی انجام پائی۔ بادشاہ کو عربی وفارسی کے علاوہ ترکی زبان سے بھی واقفیت حاصل تھی۔ بلاشبہ شاہجہاں کو تعمیر کا ذوق بہت اعلیٰ تھا اور اس کی ذاتی دلچسپیوں کے باعث اس فن کو خوب ترقی ملی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عہد علمی کارناموں سے خالی تھا، واقعہ یہ ہے کہ خوش حالی وفارغ البالی کا یہ دور علوم و فنون کی اشاعت کے لیے بھی خوشگوار ثابت ہوا، بادشاہ خود اہل علم وفن کی سرپرستی میں بڑا فراخ دل واقع ہوا تھا اور لوگوں کے علمی وفنی کمالات سے خوش ہوکر انعام واکرام سے نوازتا تھا۔ ایک بار جب بادشاہ کی فرمائش پر ایک خوش الحان قاری شیخ ابوالمعالی نے دربار میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا تو وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ بلگرام کے نواح میں ایک گاؤں انھیں بطور مدد معاش عطا کیا[۴۴]۔ شاہجہاں کے عہد میں مدارس کے قیام واہتمام کی روایت بھی برقرار رہی۔ مزید براں تعلیم میں رغبت پیدا کرنے کے لیے بادشاہ نے طلبہ کے لیے یومیہ مقرر کیا۔ اس کے وزراء وافسران میں بھی متعدد ایسے لوگ

شامل تھے جنھیں علوم وفنون میں گہری دلچسپی تھی۔ ان میں افضل خاں دیوان کل، سعداللہ خاں وزیر اور دانشمند خاں (ملا شفیع) میر بخشی کا نام خاص طور سے لیا جاسکتا ہے۔ اس پر ایک واضح ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ یہ لوگ علمی مذاکرات اور قرآنی نکات پر بحث ومباحثہ میں بھی حصہ لیتے تھے۔ اس دور کا ایک مشہور مباحثہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" کی تفسیر سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے خاص شرکاء ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور دانشمند خاں تھے۔ سعداللہ خاں وزیر اس کے حکم مقرر ہوئے تھے۔ مباحثہ کے اختتام پر ان کا تاثر یہ تھا کہ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ دونوں میں کس کا علم زیادہ گہرا ہے۔[۵]

تمام مغل بادشاہوں میں اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور دینی علوم کا دلدادہ تھا، اسے مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ تفسیر وحدیث وفقہ کی معیاری کتابیں اس کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔[۶] بادشاہ کے بیشتر اساتذہ حافظ قرآن تھے اور علم تفسیر سے خصوصی شغف رکھنے والے محمد ہاشم گیلانی، ملا شفیع یزدی اور ملا جیون بھی اس کے استادوں میں شامل تھے۔ بادشاہ کے رقعات ومکتوبات میں جا بجا قرآنی آیات اور احادیث شریفہ کے حوالے ملتے ہیں جن سے قرآن و حدیث سے اس کی گہری واقفیت اور وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ قرآن سے تعلق ہی کا اثر تھا کہ اورنگ زیب نے حکمرانی کی مصروفیت کے باوجود کتابتِ قرآن کے اپنے محبوب مشغلہ کو جاری رکھا۔ مزید براں اس کے عہد میں شاہی لائبریری دینی ومذہبی کتابوں سے مالا مال تھی اس میں تفسیر کشاف کے بعض نادر نسخے بھی پائے جاتے تھے۔[۷] بادشاہ نہ صرف یہ کہ خود علوم وفنون سے مزین تھا بلکہ اشاعتِ علم میں بھی اس نے پوری پوری دلچسپی لی۔ سلطنت کے گوشہ گوشہ میں تعلیم کے اہتمام کے ساتھ اس کی ہدایت کے مطابق مدرسین کے لیے وظیفے جاری کیے گئے اور طلبہ کی استعداد کے لحاظ سے ان کے لیے روزینے مقرر ہوئے گجرات کے دیوان کے نام ایک شاہی فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میزان پڑھنے والوں سے لے کر کشاف کا درس لینے والوں تک کو سرکاری خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔[۸]

اشاعت علم میں سلاطین وامراء کی دلچسپی سے قطع نظر اس کا سب سے اہم وموثر ذریعہ معاصر علماء وفضلا تھے۔ قرآنی علوم یا علم تفسیر کی ترویج میں بھی ان علماء نے سب سے اہم رول ادا کیا جو ان علوم سے خصوصی شغف رکھتے تھے، ان میں فن تفسیر میں تدریسی مہارت رکھنے والے علماء

شامل تھے اور تحریری صلاحیتوں کے ذریعہ اس علم کی اشاعت کرنے والے بھی عہد زیر بحث میں جو علماء تفسیر کے میدان میں اپنی مہارت اور تدریسی خدمات کے لیے معروف ہوئے ان میں شاہ عیسیٰ جند اللہ برہانپوری، عبدالسلام لاہوری، عبدالسلام دیوی، محمد فاضل بدخشی، خواجہ بہاری لاہوری، ملا محمود جونپوری، عبدالحکیم سیالکوٹی، عبدالقوی برہانپوری، میر طفیل محمد اور محمد یعقوب لاہوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

شاہ عیسیٰ جند اللہ (متوفی ۱۶۲۲ء) اصلاً سندھ کے رہنے والے تھے اور شطاری سلسلہ کے بزرگوں میں سے تھے، عہد اکبری میں برہانپور میں سکونت اختیار کی اور اسی نسبت سے مشہور ہوئے، اپنے چچا شیخ طاہر محدث کے ہاتھوں علوم دینیہ کی تکمیل کی اور انھیں علوم میں تدریسی مہارت کے لیے شہرت حاصل کی۔ تدریسی مشاغل کے علاوہ فن تفسیر سے ان کی خصوصی رغبت اس امر[9] سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس موضوع پر وہ کم از کم تین کتابوں کے مصنف تھے جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

عبدالسلام لاہوری (متوفی ۱۶۲۷ء) میر فتح اللہ شیرازی کے شاگردوں میں سے تھے، فنون تفسیر و فقہ ان کی دلچسپی کے خاص میدان تھے وہ انھیں مضامین کے درس میں تقریباً پچاس سال مصروف رہے[10] ان سے کسب فیض کرنے والوں میں خاص طور سے مفتی عبدالسلام دیوی علم تفسیر میں مہارت اور تدریسی خدمات کے لیے معروف ہوئے۔ تدریس کے علاوہ بیضاوی کی حاشیہ نگاری میں ان کی تفسیری صلاحیتیں اجاگر ہوئیں[11]، شاہجہاں ہی کے دور کے ایک دوسرے عالم محمد فاضل بدخشی حکمت و تفسیر کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ پیچیدہ عبارتوں اور مشکل مباحث کے حل کرنے کا انھیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ جہانگیر کے زمانہ ہی سے یہ قاضی عسکر کے عہدہ پر فائز تھے۔ آخر عمر میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور اسی میں تا وقت انتقال منہمک رہے[12]۔ محمد فاضل کے شاگردوں میں خواجہ بہاری لاہوری (متوفی ۱۶۵۰ء) کو تفسیر و حدیث سے خصوصی لگاؤ تھا[13]۔

شیراز ہند جونپور کے علماء میں ملا محمود جونپوری (متوفی ۱۶۵۲ء) کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ محمد افضل جونپوری سے علمی استفادہ کے بعد تدریس و تصنیف ان کی مصروفیات کا خاص محور رہا۔ عام طور پر علم کلام اور حکمت میں ان کی مہارت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ صاحب شمس بازغہ (حکمت کی ایک مشہور درسی کتاب) کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ لیکن "عمل صالح"

کے مصنف کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں آیاتِ قرآنی کی تفسیر کا بھی ملکہ حاصل تھا[۱۴]
عہد شاہجہانی کے علما میں علم تفسیر سے دلچسپی، تدریسی خدمات اور درسی کتب کی تشریح و توضیح کے لیے سب سے زیادہ شہرت حاصل کرنے والے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (متوفی ۱۶۵۶ء) تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خوشہ چینوں میں سے تھے ان کی علمی صلاحیت وفضیلت کے پیش نظر حضرت مجددؒ انھیں "آفتاب پنجاب" کے لقب سے پکارتے تھے، انھیں اپنے علم وفضل کی وجہ سے بادشاہ کے دربار میں بھی کافی عزت ومقبولیت حاصل ہوئی، معاصر مورخین کے بیانات سے اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ وہ تقریباً ۶۰ سال تک درس وتدریس میں مصروف رہے[۱۵]۔ علم تفسیر کے میدان میں ان کے تصنیفی کارنامے بھی ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اورنگ زیب کے اساتذہ میں عبدالقوی برہانپوری (متوفی ۱۶۶۵ء) علوم دینیہ بالخصوص تفسیر وفقہ میں اپنی مہارت کے لیے مشہور تھے۔ بادشاہ ان کا بڑا قدرداں تھا اور احتراماً انھیں "اخوند" کہتا تھا، مختلف امور میں وہ ان سے مشورے بھی طلب کرتا تھا[۱۶]۔ اورنگ زیب عالمگیر کے معاصرین میں سید محمد جعفر بدر عالم گجراتی (متوفی ۱۶۷۵ء) تفسیر وحدیث میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے، علم تفسیر میں ان کی مہارت تدریسی وتصنیفی دونوں میدان میں ظاہر ہوئی۔ اپنی انھیں خدمات کی وجہ سے وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے[۱۷]۔ عہد عالمگیری کے ایک دوسرے عالم محمد یعقوب بنانی لاہوری (متوفی ۱۶۸۶ء) بھی تفسیر، حدیث وفقہ میں خصوصی دلچسپی ومہارت رکھتے تھے۔ شاہجہاں کے زمانہ میں کچھ عرصہ تک میر عدل عسکر کے منصب پر فائز رہے اور پھر درس وتدریس کے ذریعہ علوم دینیہ کی اشاعت میں منہمک ہوئے۔ ان کی تفسیری صلاحیت تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اجاگر ہوئی[۱۸]۔

یہ جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد کے ان علماء کا مختصر بیان تھا جو فن تفسیر میں خصوصی دلچسپی اور اسی فن میں تدریسی خدمات کے لیے معروف تھے۔ اس عہد میں مدارس کی کثرت اور علمی حلقوں کی وسعت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ ایک صدی سے زائد کے اس طویل عرصہ میں تفسیر کی تعلیم کا کام صرف انھیں حضرات کے ذریعہ انجام پایا۔ اصل میں یہ ان علماء کا تذکرہ تھا جن کا حوالہ عمومی مآخذ میں ملتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ درس وتدریس میں مصروف رہنے والے علماء تفسیر کی تعداد اس سے کہیں زیادہ رہی ہوگی، اس کے علاوہ علم تفسیر کی ترویج و

اشاعت میں حصہ لینے والے علماء کا دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے تصنیف و تالیف کو اپنا مشغلہ بنایا۔ اس طبقہ کے علماء میں بعض نے تفسیریں مرتب کرنے میں دلچسپی لی اور کچھ نے قدیم و متداول تفسیروں کے شروح و حواشی لکھ کر اس علم سے اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اس دور میں کچھ ایسے بھی علماء گذرے ہیں جنھوں نے فن تفسیر کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں جیسا کہ ذیل کی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

۱۷ ویں صدی عیسوی میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان میں ترتیب زمانی کے اعتبار سے تفسیر مرتضوی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جو سید فرید بخاری ملقب بہ نواب مرتضیٰ خاں کے حکم سے ۱۶۰۷ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، نواب مرتضیٰ خاں عہد جہانگیری کے نامور و ممتاز امراء میں سے تھے۔ میر بخشی اور گورنر کی حیثیت سے وہ حکومت سے منسلک رہے۔ ان سب کے علاوہ ان کی سب سے بڑی صفت یہ تھی وہ بڑے علم دوست اور معارف پرور تھے اور علم کی اشاعت میں انھوں نے کافی دلچسپی لی۔ مذکورہ تفسیر بھی ان کی علمی دلچسپی کا ایک مظہر ہے جسے ان کے حکم سے شیخ زین العابدین شیرازی نے مرتب کیا[19]

عہد جہانگیر کی دوسری معروف تفسیر تفسیر نظامی ہے، یہ بھی فارسی میں ہے اور شیخ نظام الدین بن عبدالشکور تھانیسری (متوفی ۱۶۳۶ء) کی تالیف کردہ ہے، مولف مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے اور تصوف کے میدان میں شیخ جلال الدین تھانیسری سے فیض یافتہ تھے، عام تذکرہ نگاروں کے برعکس صاحب سواطع الانوار (محمد اکرم) نے ان کی تفسیر کا نام ریاض القدس لکھا ہے[20] اس تفسیر میں متصوفانہ نقطہ نظر کی ترجمانی جا بجا نظر آتی ہے[21]۔ عہد جہانگیری کی تیسری اہم تفسیر "انوار الاسرار فی حقائق القرآن" ہے۔ یہ عربی تفسیر چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مولف شاہ عیسیٰ جند اللہ برہانپوری ہیں جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے[22] بعض تذکرہ نگاروں نے عہد جہانگیری سے ایک اور تفسیر منسوب کی ہے اور شیخ نعمت اللہ بن عطا نارنولوی فیروزپوری (متوفی ۱۶۶۲ء) کو اس کا مصنف بتایا ہے[23]۔ اگرچہ اسے قرآن کے ترجمہ کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے لیکن اسے تفسیر جہانگیری کا نام دیا گیا ہے۔ صوفی نقطہ نظر سے لکھی گئی تفسیر عرائس البیان (مولفہ شیخ ابو محمد روزبہان ابن ابی الانصاری متوفی ۶۰۶ھ) کا فارسی ترجمہ بھی اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے مترجم حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مشہور خلیفہ شیخ بدر الدین سرہندی تھے۔ انھوں نے تقریباً ۱۷ سال حضرت مجدد

کی خدمت میں گذارے اور ان سے تفسیر بیضاوی اور دوسری کتابوں کا درس لیا۔ تصوف سے انھیں خاص دلچسپی تھی اسی نسبت سے انھوں نے فارسی ترجمہ کے لیے اس تفسیر کو منتخب کیا جو اپنے مخصوص صوفیانہ تفسیری رنگ کی وجہ سے صوفی حلقوں میں کافی مقبول تھی۔[۲۴]

عہد شاہجہانی کی تفسیروں میں تفسیر شاہ قابل ذکر ہے۔ یہ فارسی تفسیر شاہ محمد بن عبد محمد (متوفی ۱۶۶۳ء) کی تالیف ہے اور اس کی تکمیل ۱۶۴۷ء میں ہوئی۔ مولف قادری سلسلہ کے معروف صوفیا میں سے تھے اور لسان اللہ کے لقب سے مشہور تھے، ۱۶۱۴ء میں وہ اپنے وطن بدخشاں سے ہندوستان آئے اور کچھ عرصہ لاہور میں قیام کر کے کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ شاہ محمد صوفی میاں میر کے شاگردوں میں سے تھے اور وحدت الوجودی مسلک کے حامل تھے۔ داراشکوہ اور جہاں آرا ان سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔[۲۵] قرآنی آیات کی تشریح و توضیح میں صاحب "تفسیر شاہ" نے جا بجا عام مفسرین کے مسلک سے انحراف کیا ہے اور انھوں نے بالخصوص متصوفانہ نقطہ نظر کی ترجمانی کی ہے۔[۲۶] اِسٹوری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تفسیر جزوی طور پر عربی اور جزوی طور پر فارسی میں ہے۔[۲۷] لیکن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور خدا بخش لائبریری کے فہرست نگار اسے مکمل طور پر فارسی بتاتے ہیں۔[۲۸] ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کی تحقیق کے مطابق یہ مکمل عربی میں ہے۔[۲۹] اس کی زبان کے بارے میں اتنا شدید اختلاف رائے ناقابل فہم ہے۔ چونکہ اس کا کوئی مخطوطہ سردست ہماری دسترس میں نہیں ہے اس لیے ہم کوئی رائے دینے سے قاصر ہیں۔ مولف نے اس کے سن تالیف کی تخریج "شاہ تفاسیر" سے کی ہے۔ اس کے مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ اور رضا لائبریری، رامپور میں محفوظ ہیں اس کا قدیم ترین نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کا ہے جو ۱۱ویں صدی ہجری کا کتابت شدہ ہے۔ عہد شاہجہانی کی دوسری تفسیر بھی فارسی میں ہے۔ یہ علی شیرازی کی تالیف کردہ ہے، مولف ایک ہندوستانی عالم تھے آخر عمر میں شیراز منتقل ہوئے اور وہیں ۱۶۷۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔[۳۰] اس تفسیر میں شیعی عقائد و خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ کسی فہرست مخطوطات یا ذخیرہ کتب میں اس کا حوالہ نہیں مل پایا ہے۔

عہد عالمگیری مذہبی علوم و فنون کی نشر و اشاعت کے لیے کافی شہرت رکھتا ہے دیگر علوم سے قطع نظر تفسیر کے میدان میں اس عہد کی خدمات نمایاں اور قابل قدر ہیں اس کا بخوبی اندازہ اس عہد میں لکھی جانے والی متعدد عربی و فارسی تفسیروں سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فن تفسیر اور

اصول تفسیر سے متعلق کتابیں بھی اس عہد میں مرتب کی گئیں عہد عالمگیری کی اولین تفسیر زبدۃ التفاسیر یا تفسیر اورنگ زیبی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک عربی تفسیر ہے جسے شیخ معین الدین بن سراج الدین خواند شاہ (متوفی ۱۶۷۴ء) نے ۱۶۶۴ء میں پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔ شیخ معین الدین شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تلامذہ اور کشمیر کے ممتاز فقہاء حنفیہ میں سے تھے، تفسیر وحدیث وفقہ تینوں میدان میں ان کی علمی صلاحیتیں ظاہر ہوئیں، تفسیر سے متعلق دو کتابیں ان کی یادگار ہیں زبدۃ التفاسیر کے علاوہ انھوں نے فارسی میں بھی قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو شرح القرآن کے نام سے موسوم ہے ان کی عربی تفسیر جامع و مختصر انداز میں لکھی ہوئی ہے اور اس کا اسلوب بیان بھی سیدھا سادہ اور پیچیدگی سے خالی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ذخیرہ مخطوطات عربی میں دستیاب ہے[۳۱]۔ اسی عہد کی دوسری قابل ذکر تفسیر تفسیر امینی ہے جو بادشاہ کی ایما پر مرتب کی گئی، یہ تفسیر فارسی میں ہے اور اس کے مولف محمد امین صدیقی علوی ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری، حیدرآباد میں محفوظ ہے[۳۲]۔ عہد عالمگیری کی فارسی تفسیروں میں زیب التفاسیر کو خصوصی اہمیت و امتیاز حاصل ہے۔ اسے شہزادی زیب النساء کی فرمائش پر صفی بن ولی قزوینی کشمیری نے مرتب کیا اور اسی نسبت سے اسے زیب التفاسیر[۳۳] کا نام دیا۔ یہ ایک مبسوط تفسیر ہے جس کی متعدد جلدیں پائی جاتی ہیں۔ اس کی پانچویں جلد سورہ انفال تا سورہ یوسف کی تفسیر پر مشتمل ہے اس سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے یہ تفسیر کم از کم دس جلدوں میں مکمل ہوئی ہوگی اس کی پانچویں جلد کا سن تالیف ۱۶۷۰ء ہے جبکہ اس کی آخری جلد ۱۶۷۷ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی جیسا کہ مولف کی ایک دوسری کتاب میں اس کی صراحت ملتی ہے[۳۴]۔ مآثر عالمگیری اور نزہۃ الخواطر کی تصریح کے مطابق "زیب التفاسیر" امام رازی کی تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ ہے[۳۵]۔ لیکن خود مولف کے اپنے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک مستقل تفسیر ہے[۳۶]۔ اس کے مآخذ میں تفسیر نیشاپوری، تفسیر کبیر، کشاف اور بحر مواج کا نام شامل ہے۔ اس تفسیر کی پانچویں جلد کا مخطوطہ برٹش میوزیم اور ربوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں دستیاب ہے۔ لیکن اول الذکر نسخہ قدیم ترین اور خود مولف کے اپنے زمانہ کا ہے[۳۷]۔ عہد عالمگیری میں زبدۃ التفاسیر نام کی ایک اور عربی تفسیر شیخ الاسلام بن قاضی عبدالوہاب (متوفی ۱۶۹۷ء) کی تالیف کردہ ہے۔ مولف عہد عالمگیری کے مشہور عالم اور ممتاز فقیہ تھے اپنے والد کی وفات کے بعد قاضی عسکر کے عہدے پر فائز ہوئے[۳۸]۔ یہ کتاب

اصلاً قدیم تفاسیر کا ملخص ہے جو عمومی استفادہ کے نقطۂ نظر سے تیار کیا گیا تھا، اسی لیے اختصار کے ساتھ ساتھ آسان زبان اور عام فہم اسلوب کو ترجیح دیا گیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اورنگ زیب کے آخری دور میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان میں ایک گجراتی عالم سید محمد محبوب عالم (متوفی سنہ ۱۷۰۰ء) کی مرتب کردہ "تفسیر شاہیہ" شامل ہے۔ یہ فارسی تفسیر تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں تفسیری روایات زیادہ تر اہلِ بیت سے مروی ہیں۔ اس کا ایک مخطوطہ بھروچ کے محکمہ قضا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اس فارسی تفسیر کے علاوہ سید محبوب عالم سے ایک عربی تفسیر (تفسیر القرآن) بھی منسوب کی جاتی ہے جو جلالین کے طرز پر لکھی گئی تھی[۳۹]۔ عہد عالمگیری کی ایک فارسی تفسیر "نعمت عظمیٰ" کے نام سے معروف ہے۔ اس کے مولف مشہور واقعہ نگار مرزا نور الدین ملقب بہ نعمت خاں عالی (متوفی سنہ ۱۷۰۹ء) ہیں۔ یہ تفسیر اورنگ زیب کے نام معنون ہے جو ۱۷۰۲ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کے دو حصے ہیں حصۂ اول ۱۶ سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے اور حصہ دوم میں باقی ۹۸ سورتوں کی تشریح و توضیح پیش کی گئی ہے۔ اس میں الفاظ و مصطلحات کی لغوی تحقیق کے ضمن میں عربی ادب کے قدیم ذخیرہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کرزن کلکشن میں محفوظ ہے[۴۰]۔

اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں عربی و فارسی میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان میں عام تفسیروں کے علاوہ بعض ایسی تفاسیر بھی شامل ہیں جو کسی مخصوص نہج سے لکھی گئیں۔ ملا جیون شیخ احمد بن ابی سعید (متوفی سنہ ۱۷۱۷ء) کی التفسیرات الاحمدیہ فی بیان آیات الشرعیہ جو عام طور سے تفسیر احمدی کے نام سے مشہور ہے اسی زمرہ میں شامل ہے۔ ملا جیون اپنے عہد کے ممتاز علماء اور عالمگیر کے استادوں میں سے تھے۔ انھیں فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا اور ان کی تفسیر میں اس کے اثرات واضح طور پر نمایاں ہیں۔ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح کرتے وقت انھوں نے احکام شرعی کے استنباط پر خاص توجہ دی ہے۔ انھوں نے تقریباً چار سو پچاس آیتیں منتخب کر کے ان سے فقہی مسائل اخذ کیے ہیں قرآن سے فقہی مسائل کے استنباط میں ان کے یہاں ترتیب زمانی کی رعایت ملتی ہے مزید براں مختلف مسائل میں فقہاء کے اختلاف رائے کی وضاحت کے ساتھ صاحب تفسیر نے اپنی ترجیحی رائے بھی پیش کی ہے۔ وہ حنفی مسلک کے زبردست حامی تھے اسی لیے ان

کی تفسیر میں جا بجا اسی کی ترجمانی ملتی ہے۔ اس تفسیر میں ماخذ کی حیثیت سے تفسیر بیضاوی، تفسیر کبیر، مدارک التنزیل، الاتقان فی علوم القرآن، ہدایہ، شرح وقایہ اور فتاوای خانیہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔[21]
اسی نوع کی ایک اور عربی تفسیر جس میں فقہی احکام کی وضاحت پر خاص زور دیا گیا۔ ہے انوار الفرقان و ازہار القرآن ہے یہ شیخ غلام نقش بندی لکھنوی (متوفی ۱۷۱۲ء) کی تالیف کردہ نامکمل تفسیر ہے جس میں سورہ بقرہ تا انعام کی تشریح فقہی انداز میں کی گئی ہے۔ یہ "تفسیر ربع القرآن" کے نام سے بھی معروف ہے۔[22] اس عہد کی نامکمل تفسیروں کے زمرہ میں علی اصغر قنوجی (متوفی ۱۷۲۸ء) کی عربی تفسیر "ثواقب التنزیل فی انارۃ التاویل" بھی شامل کی جا سکتی ہے۔ اس کے مصنف قنوج کے مشہور علماء میں سے تھے، تدریسی مشغلہ کے علاوہ انھوں نے تالیفی و تصنیفی کاموں میں بھی دلچسپی لی۔ یہ تفسیر قرآن کریم کو سات ثواقب میں تقسیم کر کے جلالین کے انداز پر مرتب کی گئی ہے، پہلا ثاقبہ الحمد اور دوسرا سورہ بقرہ و آل عمران کی تفسیر پر مشتمل ہے اور یہ تفسیر بس یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ مولف نے تفسیر کی ابتدا میں اس کتاب کی ضرورت و اہمیت کو واضح کیا ہے اور بسم اللہ کی تفسیر لکھتے وقت اس مسئلہ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ سورہ الفاتحہ کا جز ہے کہ نہیں اور پہلے ثاقبہ کے خاتمہ پر نزول قرآن کی کیفیات اور قرآن کے جمع و تدوین کے مسائل پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اس تفسیر کا ایک جز قلمی صورت میں رضا لائبریری، رام پور میں محفوظ ہے۔[23]

مکمل و نامکمل تفسیروں کے علاوہ کسی مخصوص سورہ یا آیت کی تفسیر لکھنے کی روایت بھی اس عہد میں باقی رہی۔ اس نوع کی تفسیروں میں تفسیر سورہ اخلاص (مولفہ امیر ابوالمعالی۔ متوفی ۱۶۳۶ء)، تفسیر سورہ الجاثیہ (محمد ہاشم گیلانی متوفی ۱۶۵۰ء)، تفسیر سورہ یوسف (محمد بن ابی سعید کالپوی متوفی ۱۶۶۰ء)، تفسیر سورہ بقرہ معروف بہ تفسیر ربانی (شیخ نور الدین احمد آبادی۔ متوفی ۱۷۴۳ء) تفسیر آیۃ النور (شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ متوفی ۱۶۴۲ء) تفسیر بعض آیات (علی بن سید نور۔ محتسب عہد عالمگیری) اور تفسیر آیات الاحکام (قاضی یزدی۔ متوفی ۱۷۱۴ء) قابل ذکر ہیں۔

جہاں تک تفسیر کی قدیم کتابوں پر تعلیقات و حواشی کا تعلق ہے تفسیر بیضاوی کو اس ضمن میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ اس وقت تفسیری درسیات کا جزو لازم تھی اور پیچیدہ عبارات اور مشکل مباحث کے لیے بھی معروف تھی۔ اسی لیے شروح و حواشی کے لیے

یہ علما کی توجہ کا خصوصی مرکز بنی۔ اِس دور میں تفسیر بیضاوی پر تعلیقات وحواشی لکھنے والوں میں ملا عبدالسلام لاہوری، مفتی عبدالسلام دیوی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، محمد ہاشم گیلانی، میر طیب بلگرامی، سید عبداللہ دہلوی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹ، ملا محمد یعقوب لاہوری۔ نورالدین محمد صالح گجراتی اور سید جاراللہ الٰہ آبادی جیسے ممتاز علما کرام شامل ہیں۔ ان تمام میں عبدالحکیم سیالکوٹ کا حاشیہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ حاشیہ نگار تدریس کا طویل تجربہ رکھتے تھے اور مروجہ درسیات کی بہترین وموثر تشریح وتوضیح کے لیے معروف تھے۔ تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ان کا یہ وصف بدرجہ اتم نمایاں ہے، حاشیہ نگاری کی اصل غرض وغایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں سادہ وسلیس زبان استعمال کی گئی ہے اور پیچیدہ عبارات کی وضاحت میں پورے شرح وبسط سے کام لیا گیا ہے مزید براں حاشیہ نگار نے بیضاوی کی نقل کردہ روایات کی تخریج کی ہے اور روایتوں کی نوعیت پر بھی روشنی ڈالی ہے[۴۴]۔

سابق ادوار کے مثل اِس دور میں بھی علم قرآن کے مختلف پہلو مثلاً قرارت وکتابت، ناسخ ومنسوخ، اعراب ورسم خط، تخریج آیات وتفصیل احکام فقہیہ علما کی تالیفات کا موضوع بنے اور ایسے مباحث پر روشنی ڈالی گئی جو فن تفسیر کے ارتقا پر کھلی ہوئی دلیل فراہم کرتے ہیں۔ اس نوع کی تالیفات میں دستورالمفسرین "فتح محمدی"، ہادیہ قطب شاہی، نجوم الفرقان اور مجمع الفوائد کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ دستورالمفسرین عمادالدین محمد عارف (متوفی ۱۶۱۲ء) کی تالیف ہے جو عام طور پر عبدالنبی اکبر آبادی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یہ کتاب علم دوست مغل امیر عبدالرحیم خانخاناں کے نام معنون ہے۔ مصنف مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے اور متعدد موضوعات پر انھوں نے کتابیں لکھیں جن میں سب سے زیادہ حدیث وتصوف سے تعلق رکھتی ہیں[۴۵]، علم تفسیر کے موضوع پر ان کی مذکورہ کتاب کافی اہم ہے، علم تفسیر کی اہمیت وفضیلت اور اس کے اصول ومبادی کی وضاحت کے ساتھ مصنف نے خاص طور سے ناسخ ومنسوخ کے مسئلہ سے بحث کی ہے اور شروع میں اس نکتہ پر خاص زور دیا ہے کہ ناسخ ومنسوخ کا علم ایک مفسر کے لیے اشد ضروری ہے۔ ناسخ ومنسوخ پر مفصل بحث کے ضمن میں اپنے خیالات کی تائید میں انھوں نے احادیث اور علما سلف کے اقوال پیش کیے ہیں، اس کتاب میں نہ صرف نسخ کی مختلف اقسام

کی نشاندہی کی گئی ہے بلکہ مثالوں کے ذریعہ ان کی بھرپور وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ آیات کے باب میں علماء میں جو اختلاف ہے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، آیات منسوخہ پر اپنی مفصل بحث میں مصنف نے سورتوں کی ترتیب کا خاص لحاظ رکھا ہے اور ہر آیت منسوخہ کے ضمن میں انھوں نے وجہِ تنسیخ اور دیگر متعلقہ امور سے بحث کی ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں علم تفسیر کے ایک نہایت اہم پہلو پر جس شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے وہ اس موضوع پر دوسری کتابوں میں بہت کم ملتی ہے۔ مزید براں اس میں عالمانہ اندازِ بیان اور موثر طرزِ استدلال اختیار کیا گیا ہے، اس کا ایک نادر قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) میں دستیاب ہے۔[۴۶]

"فتح محمدی" سندھ کے معروف صوفی شیخ عیسیٰ بن قاسم کی تالیف ہے جو فن تفسیر کے متعلقات سے بحث کرتی ہے۔ شیخ عیسیٰ نے یہ کتاب اپنے بیٹے فتح محمد کے لیے لکھی تھی اسی لیے اس کا نام "فتح محمدی" رکھا۔[۴۷]

"ہادیہ قطب شاہی"[۴۸] قرآنی الفاظ کا انڈکس ہے جسے محمد عبداللہ کربلائی نے ۱۶۳۶ء میں مرتب کیا اور والیِ دکن عبداللہ قطب شاہ کے نام معنون کیا، یہ دو حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں آیات کو ابتدائی الفاظ کے اعتبار سے جمع کیا گیا ہے اور دوسرے میں آخری الفاظ کے مطابق انھیں مرتب کیا گیا ہے، اس طرح کوئی بھی آیت اپنے ابتدائی یا آخری لفظ کے ذریعہ معلوم کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب کے مخطوطات برٹش میوزیم، انڈیا آفس، خدا بخش لائبریری (پٹنہ) آصفیہ لائبریری (حیدرآباد) اور ناصریہ لائبریری (لکھنو) میں دستیاب ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض نسخے عربی میں ہیں اور بعض فارسی میں ڈاکٹر سالم قدوائی نے اس سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ مجموعہ اصلاً عربی میں تیار کیا گیا تھا اور بعد میں فارسی میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔[۴۹] مصطفیٰ بن محمد سعید کی مرتب کردہ نجوم الفرقان بھی اسی نوع کی ایک کتاب ہے جو اورنگ زیب کے نام معنون ہے۔ اس کی تکمیل ۱۶۹۲ء میں ہوئی اور یہ ایک طرح سے قرآنی الفاظ کا اشاریہ ہے جس سے مقصود قرآنی آیات کی تخریج میں سہولت بہم پہونچانا ہے۔ آیاتِ قرآنی کی تخریج ہی کے موضوع پر مولف سے ایک اور کتاب "امارات الکلم" منسوب کی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اول الذکر سے کچھ مختلف نہیں ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب دو نام سے معروف تھی۔[۵۰] مجمع الفوائد

متعلقات قرآن پر ایک مختصر تالیف ہے جس میں الفاظ کی لغوی تحقیق، اعراب، وقوف اور قراءت سبعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ متعلقہ آیات سے بحث کرتے ہوئے ان کا مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے یہ کتاب عہد عالمگیری میں ۱۶۹۹ء میں مکمل ہوئی اور اس کے مرتب محمد قلی بن بادشاہ قلی تھے۔ آیات کے معانی اور بیشتر مباحث فارسی میں دیے ہوئے ہیں جبکہ بعض اسکالرس نے اس کے برخلاف رائے ظاہر کی ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔[۱۵۱]

اوپر کی تفصیلات سے یہ حقیقت اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ عہد زیر بحث میں علوم قرآنیہ سے تعلق و دلچسپی کی قدیم روایت برقرار رہی۔ علماء و مشائخ کی انفرادی مجالس اور مدارس کے ذریعہ قرآن کی افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا، تفسیری نکات پر بحث و مباحثہ سے بھی یہ دور خالی نہیں رہا ہے۔ علم قرآن سے متعلق تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں میں معاصر علماء نے بھرپور حصہ لیا۔ قدیم تفاسیر بالخصوص تفسیری درسیات کے شروح و حواشی کے علاوہ عربی و فارسی میں تفسیر کی متعدد (مختصر و مبسوط) کتابیں اس عہد کی یادگار ہیں۔ اس ضمن میں چند باتیں خاص طور سے سامنے آتی ہیں، ایک یہ کہ تفسیر نگاری کے میدان میں جلالین کے طرز کو زیادہ پسند کیا گیا جبکہ اس سے پہلے کے ادوار میں کشاف یا تفسیر کبیر کا انداز قابل ترجیح رہا۔ اور شروح و حواشی کے لیے عام طور پر تفسیر بیضاوی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ کہ یہ دونوں کتابیں نہ صرف یہ کہ مروجہ نصاب کا لازمی جز تھیں بلکہ اس وقت کی مقبول ترین درسیات میں شامل تھیں۔ قرآنی علوم میں معاصر علماء کی دلچسپی پر مزید ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ تفسیر نگاری اور شروح و حواشی کی تیاری کے علاوہ ان موضوعات پر بھی توجہ دی گئی جو علم قرآن کے ملحقات شمار کیے جاتے ہیں اور فن تفسیر کے ارتقا میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مزید براں مذکورہ مباحث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس دور میں تفسیر نگاری اور متعلقہ موضوعات پر اظہار خیال کے لیے فارسی زبان کو زیادہ اختیار کیا گیا جبکہ اس سے پہلے بالخصوص اکبر کے زمانہ میں علم قرآن کے میدان میں تصنیف و تالیف کے لیے عربی کو ترجیح حاصل رہی۔[۱۵۲] اس کے علاوہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا اس سے عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی علمی تاریخ کا یہ پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے کہ قرآنی علوم کی نشر و اشاعت اور تفسیری کارناموں کے اعتبار سے اورنگ زیب کا زمانۂ حکومت سب سے زیادہ

ممتاز رہا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اوپر کی تفصیلات سے اس خیال کی تردید بھی ہوتی ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں علم قرآن کے میدان میں معاصر علماء کی تصنیفی و تالیفی صلاحیتیں زیادہ تر قدیم تفسیری کتب کی شروح و حواشی لکھنے تک محدود رہیں اور اس طویل عرصہ میں دو ایک تفسیروں کو چھوڑ کر کوئی قابل ذکر اور لائق استفادہ تفسیری کارنامہ انجام نہ پاسکا۔

حواشی و مراجع

سے ۱ رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، ص ۲۱۳

سے ۲ معتمد خاں، اقبال نامۂ جہانگیری، نولکشور، ۱۲۸۶ھ، جلد دوم، ص ۱۲۹، تفصیل کے لیے دیکھئے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۶۷ھ، ص ۱۲۸-۱۵۰

سے ۳ توزک جہانگیری، علی گڑھ، ۱۸۶۴ء، ص ۲۱۸

سے ۴ میر غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکرام، مفید عام پریس، آگرہ، ۱۹۱۰ء، ص ۶۶-۶۷

سے ۵ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، جلد دوم، حصہ اول، ص ۳۰-۳۲ نیز دیکھئے بزم تیموریہ، محولہ بالا ص ۲۲۶

سے ۶ ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری، کلکتہ، ۱۸۷۱ء، ص ۵۳۱-۵۳۲، منشی محمد کاظم، عالمگیر نامہ۔ کلکتہ ۱۸۶۸ء، جلد دوم ص ۱۰۹۱

سے ۷ ڈی۔ این۔ مارشل، مُغلس اِن انڈیا (ببلوگرافیکل سروے) بمبئی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۹، ع ۱۱۵، فہرست مخطوطات عربی و فارسی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، جلد ۱۸، حصہ دوم، ص ۱۴-۱۶ (ع ۱۳۳۹)، عالمگیر نامہ، جلد دوم ص ۱۰۸۵-۱۰۸۶، شاہنواز خاں، مآثر الامراء، جلد سوم، حصہ دوم، ص ۶۳۹

سے ۸ مآثر عالمگیری، ص ۵۲۹، عالمگیر نامہ، جلد دوم، ص ۱۰۸۵-۱۰۸۶، علی محمد خاں، مرأت احمدی، کلکتہ، ۱۹۲۸ء، جز اول، ص ۲۵۸۔

سے ۹ غوثی شطاری، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) اسلامی بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۳۹۵ھ ص ۵۰۹-۵۱۵، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۵۳، سید عبدالحئی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف، حیدر آباد، ۱۹۵۴ء، ۵/۲۹۵-۲۹۶، اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیاء سندھ، اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۵۶-۱۶۴

سے ۱۰ محمد صالح کنبو لاہوری، عمل صالح، کلکتہ، ۱۹۳۹ء، ۳/۳۹۰، نیز دیکھئے مآثر الکرام، ص ۲۲۶، تذکرہ علماء ہند ص ۱۲۰، فقیر محمد جہلمی، الحدائق الحنفیہ، نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء، ص ۴۰۶، نزہۃ الخواطر، ۵/۳۰۳۔

۱۱؎ عمل صالح، ۳/ ۳۹۰، ماثر الکرام، ص ۲۳۵-۲۳۶، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۲۰، نزہۃ الخواطر ۵/ ۲۲۲ - ۲۲۳

۱۲؎ عمل صالح، ۳/ ۳۸۹، عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، کلکتہ، ۱۸۶۷ء، جلد اول حصہ دوم، ص ۳۴۳، نزہۃ الخواطر ۵/ ۳۸۴ - ۱۳؎ تذکرہ علماء ہند، ص ۵۸، الحدائق الحنفیہ، ص ۴۱۲

۱۴؎ عمل صالح، ۳/ ۳۹۱، نیز دیکھئے غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص ۱۴۲-۱۴۳ تذکرہ علماء ہند، ص ۲۲۱، الحدائق الحنفیہ، ص ۴۱۳، نزہۃ الخواطر، ۵/ ۳۹۷ - ۳۹۹

۱۵؎ عمل صالح، ۳/ ۳۸۳ بادشاہ نامہ، محولہ بالا، ص ۳۴۰ - ۳۴۱، سبحۃ المرجان، ص ۱۷۱-۱۷۲، تذکرہ علماء ہند ص ۱۱۰ - ۱۱۱، نزہۃ الخواطر، ۵/ ۲۱۰ - ۲۱۱، الحدائق الحنفیہ، ص ۴۱۳-۴۱۵

۱۶؎ ماثر الامراء، جلد اول، حصہ اول، ص ۲۲۵-۲۲۷ ۱۷؎ تذکرہ علماء ہند، ص ۱۸۳، الحدائق الحنفیہ، ص ۱۲۲

۱۸؎ عمل صالح، ۳/ ۳۹۲، نزہۃ الخواطر، ۵/ ۴۳۹ - ۴۴۰

۱۹؎ نزہۃ الخواطر، ۵/ ۴۰۱ - ۴۰۳، نیز دیکھئے ماثر الامراء، جلد دوم، حصہ دوم، ص ۶۲۳ - ۶۲۱، شیخ محمد اکرام رودِ کوثر، تاج آفس، کراچی، ص ۱۱۶-۱۲۵۔

۲۰؎ اسٹوری، پرشین لٹریچر، ۱/ ۱۸، فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس (مرتبہ ایتھ) آکسفورڈ، ۱/ ۲۲۷ (عدد ۶۵۴)

۲۱؎ شیخ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار، مطبع محمدی، ۱۲۸۳ھ، ص ۱۳۲، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۳۲، الحدائق الحنفیہ، ص ۴۰۱-۴۰۲، نزہۃ الخواطر، ۵/ ۴۱۸ - ۴۱۹، اسٹوری، پرشین لٹریچر، لندن، ۱۹۷۰ء، ۱/ ۱۸، محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ص ۴۵۱ - ۴۵۴۔

۲۲؎ گلزار ابرار، محولہ بالا، ص ۵۱۵، نزہۃ الخواطر، ۵/ ۲۹۵ - ۲۹۶، تذکرہ صوفیاء سندھ ص ۱۵۶-۱۶۴۔

۲۳؎ نزہۃ الخواطر، ۵/ ۴۲۳ - ۴۲۴، سید عبدالحئی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق، ۱۹۵۸ء، ص ۱۶۵، مصنف کے سن وفات کی روشنی میں اسے عہد جہانگیری سے منسوب کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ۲۴؎ نزہۃ الخواطر، ۵/ ۹۰، ۲۵؎ ایضاً، ۵/ ۱۶۴

۲۶؎ تفصیل کے لیے دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی، ص ۴۷۶ - ۴۷۹

۲۷؎ اسٹوری، پرشین لٹریچر، ۱/ ۱۹

۲۸؎ ملاحظہ کریں فہرست مخطوطات فارسی، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (مرتبہ ایونو) ص ۴۷۰ - ۴۷۱ (عدد ۹۶۹) اور فہرست مخطوطات عربی و فارسی، خدا بخش اورنٹل پبلک لائبریری، ۳/ ۱۱۲ - ۱۱۳ (عدد ۳۲۶)

۲۹؎ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۱۱۴-۱۱۵

۳۰ دیکھئے دائرہ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلوپیڈیا) دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۵۹ء، جلد ۶ (مادۂ تفسیر) اور سہ ماہی مجلہ توحید، ایران، فروری۔اپریل ۱۹۸۵ء ص ۱۵۸۔ ۳۱ دیکھئے ڈی این مارشل، محولہ بالا، ص ۳۴۹، ۱۲۹۷ (۲) مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۷۷-۸۱، فہرست مخطوطات عربی ایشیاٹک سوسائٹی (مرتبہ ہدایت حسین) کلکتہ، ۱۹۳۹ء ص ۴۰ (۱۰۶) ۳۲ اسٹوری، محولہ بالا ۱/۱۹، فہرست مخطوطات عربی، فارسی و اردو، آصفیہ لائبریری حیدرآباد، ۱۹۰۰ء ۱/۵۶۲، ۱۶۵ ۳۳ ماثر عالمگیری، ص ۵۳۹، صاحب تفسیر کے حالات اور کارناموں کے لیے ملاحظہ کریں، شاہ معین الدین ندوی کا مضمون "انیس الحجاج" معارف (اعظم گڈھ) جلد ۹۳ شمارہ ۱ (جنوری ۱۹۶۴ء) ص ۵-۲۴ ۳۴ صفی بن ولی قزوینی، انیس الحجاج، نقل ۹۳ (مخطوطہ دار المصنفین اعظم گڈھ) ریسرچ لائبریری، شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ ورق ۱ الف۔

۳۵ ماثر عالمگیری، ص ۵۳۹، نزہتہ الخواطر، ۶/۹۲ ۳۶ انیس الحجاج، محولہ بالا، ورق ۱ الف۔

۳۷ فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم (مرتبہ ریو) ۳/۹۸۰ (نمبر آر ۱۶۸۶) اور فہرست مخطوطات فارسی، ترکی و پشتو، بوڈلین لائبریری (مرتبہ ایتھ) ص ۱۰۴۴ (۱۸۱۰) ۳۸ مولف کے حالات کے لیے دیکھئے، آثر عالمگیری، ص ۲۳۹، ۱۴۸ ماثر الامراء، ۱/۲۳۵-۲۴۱، نزہتہ الخواطر، ۶/۱۱۱-۱۱۲ ۳۹ تذکرہ علماء ہند، ص ۲۱۴-۲۱۵، نزہتہ الخواطر، ۶/۲۵۷، سید ابو ظفر ندوی، گجرات کی تمدنی تاریخ، معارف پریس، ۱۹۶۳ء، ص ۱۳۱ ۴۰ فہرست مخطوطات فارسی، کرزن کلکشن (مرتبہ ایونو) کلکتہ، ۱۹۲۶ء، ص ۲۴۶ (۳۳۷) نیز دیکھئے اسٹوری، پرشین لٹریچر، ۱/۱۹-۲۰، دائرہ معارف اسلامیہ، ۴/۵۳۳ ۴۱ سبحۃ المرجان، ص ۲۰۴-۲۰۵، ماثر الکرام، ص ۲۱۶-۲۱۷، تذکرہ علماء ہند، ص ۴۵ الحدائق الحنفیہ، ۶/۱۹-۲۱۔ ۴۲ ماثر الکرام، ص ۲۱۳-۲۱۶، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۵۸، الحدائق الحنفیہ، ص ۴۳۵، نزہتہ الخواطر ۶/۲۱۲-۲۱۴ ۴۳ تذکرہ علماء ہند، ص ۱۳۱-۱۳۲، الحدائق الحنفیہ، ص ۴۳۸، نزہتہ الخواطر، ۶/۱۸۷، ڈاکٹر سالم قدوائی، ص ۸۵-۸۸ ۴۴ عمل صالح، ۳/۳۸۳-۳۸۴، ماثر الکرام، ص ۲۰۵، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۱ نزہتہ الخواطر، ۵/۲۶۱-۲۶۲۔ ۴۵ مصنف کے حالات کے لیے دیکھئے تذکرہ علماء ہند، ص ۱۳۴-۱۳۵، نزہتہ الخواطر ۵/۲۶۱-۲۶۲۔ ۴۶ عبدالحی کلکشن، عربی ۱/۱۸۔ اس کتاب پر مفصل تبصرہ کے لیے دیکھئے ڈاکٹر سالم قدوائی، ص ۲۱۷-۲۲۵ ۴۷ گلزار ابرار، ص ۵۱۵-۵۱۶، نزہتہ الخواطر، ۵/۴۴۳-۴۴۴، تذکرہ صوفیائے سندھ، ص ۱۵۶-۱۶۲۔ ۴۸ برٹش میوزیم (فہرست مخطوطات فارسی ۱/۱۱۳) کے بعض نسخوں میں اس کا نام "ہدیہ قطب شاہی" لکھا ہوا ہے۔ ۴۹ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص ۲۴۶ ۵۰ ماثر الامراء، جلد سوم حصہ دوم ص ۶۳۸-۶۳۹، نزہتہ الخواطر، ۶/۲۷۲-۲۷۳، فہرست مخطوطات عربی فارسی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری (۳/۱۴ ۳۷/۳۸ ع ۱۱۷۲-۱۱۷۳) میں یہ کتاب علامات نجوم الفرقان کے نام سے درج ہے جبکہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی فہرست مخطوطات فارسی (ص ۴۷۷، ۹۷۷) میں اس کا نام نجوم الفرقان ہی لکھا ہوا ہے۔ ۵۱ سبحان اللہ کلکشن، ع ۱۱۱ ۲۹۷/۲۔ ۵۲ دیکھئے راقم کا مضمون "عہد اکبری کی تفسیری خدمات" علوم القرآن ۱/۳ (جولائی-دسمبر ۱۹۸۶ء) ص ۱۱۲-۱۲۹)